OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 2, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

تفسیر قرآن پر جدیدیت کے اثرات: رڈو قبول کا تجزیاتی مطالعہ

Impacts of Modernity on Quranic Exegeses: Analytical Study of Acceptance & Rejection

Dr. Zafar Iqbal, Assistant Professor,
Department of Quran & Tafseer, AIOU, Islamabad
Dr. Hafiz Tahir Islam, Assistant Professor,
Department of Islamic Thought, History & culture, AIOU, Islamabad

Abstract

KEYWORDS:

Quran, Exegetes, Modernity, Islamization.

Date of Publication:
27-12-2023

Islamic Thoughts have roots in its 1400's year's heritage. Quran is a basic source of Islamic studies or discourses. History witnessed that whenever some false or wrong thoughts or practices tried to take place in Islamic discourses, Muslim scholars bluntly gave their opinions in the light of Quran to accept or reject them. In this way, massive Quranic exegetical literature took place in the field. As a result, till now any idea or thought which contradict or come in opposition of any Quranic saying or teachings could not get space in Islamic literature in a positive sense.

In this scenario, when we study the paradigm of modernity, a complete system and ideology, it also got criticism and rejection completely or partially by renowned Muslim scholars. In this case Muslim exegetes seem divided into three groups. First one completely accepted the modernity and its thoughts but could not got acceptability in Muslim society and Islamic literature. Second was the clique, who partially accepted the modernity, means they insist on modernity that it should be adopted after Islamization, as a need of contemporary society. The third and the fundamentalist class of Muslim scholars completely rejected the modernity and its all ideas or slogans, irrespective of

contradictory to Islamic thoughts or not. They were in view, that Islam is a complete code of life. Islam provides solution to every problem of every society and time. They also pointed out and rationalized the problems and misdeed of modernity due to which it is not possible to accept it even after its Islamization.
This article deals with acceptance and rejection of modernity by Muslim exegetes and explore the rationales, Muslim scholars laid down to reject it in the light of Quranic guidance.

تمہید

فکر اسلامی چودہ سو سال پر محیط ایک ایسے اسلامی ورثے کا نام ہے جس کے سوتے قرآن مجید سے نکلتے ہیں۔ علوم اسلامی ہوں یا ان کے مظاہر ہر ایک کے لیے بنیادی مآخذ قرآن مجید ہی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر و توضیح کا کام روز اول سے ہی علوم اسلامیہ میں استدلال و استشہاد اور فہم قرآن کے لیے انجام پاتا چلا آ رہا ہے۔ مفسرین حضرات نہ صرف معاشرے میں پیش آمدہ مسائل و احوال کے پیش نظر قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کا کام کر تے چلے آرہے ہیں بلکہ قرآن مجید کی فکر اور رہنمائی سے یا بالفاظ دیگر قرآنی پیراڈائم سے ٹکرانے والے نظریات کی بیخ کنی کا کام بھی صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ خوارج، باطنیہ، اباضیہ اور کرامتہ وغیرہ کے باطل نظریات کو نہ صرف عمومی انداز میں ردّ کیا گیا بلکہ تفسیری متون میں بھی اس پر باقاعدہ ردو قدح موجود ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مفسرین کے پیش نظر مطلق قرآن کی تفسیر و بیان کا کام نہیں تھا بلکہ قرآن مجید کی غلط تعبیر و تشریح کی نشاندہی اور اس پر نقد بھی اہم فریضہ سمجھا گیا ہے۔[1]

پچھلی ایک ڈیڑھ صدی سے جدیدیت بطور فکر، نظریہ اور عقیدہ سامنے آئی ہے اور اس نے دنیا کے افکار، تمدن حتی کہ مذاہب پر بھی بہت گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے موجد اور مداح تو جدیدیت کو حرف آخر کے طور پر لیتے ہیں اور باقی نظریات چاہے الہامی ہوں یا غیر الہامی سبھی کو ناقص اور عصر حاضر سے غیر ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ یہ نظریہ ان کے لیے تقدیس کا حامل ہے جس کی کمی یا نقص بیان کرنا، کسی بڑی گستاخی سے کم نہیں سمجھا جائے گا۔[2]

جدیدیت کے اثرات دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی طرح مسلمانوں پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔اور جدیدیت بطور نظریہ حیات کچھ مسلمان اہل علم کو اپنا گرویدہ بنانے میں نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ ان کی تحریروں اور ذوق و مزاج کا حصّہ بھی بن گیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر ان علمی شخصیات نے قرآنی آیات و نظریات کو اس نظریے سے ہم آہنگ بنانے کے لیے باقاعدہ تفسیر قرآن کا کام شروع کیا اور تفسیر کے میدان میں کئی تصنیفات مرتب کی ہیں۔ جیسے سر سید احمد خان، مفتی عبدہ، رشید رضا، غلام احمد پرویز، رحمت اللہ طارق اور عبد اللہ چکڑالوی وغیرہ نے باقاعدہ تفاسیر مرتب کیں ہیں۔ان تفاسیر پر امت مسلمہ نے باقاعدہ ردّ عمل دیا ہے اور جدیدیت کے زیر اثر لکھی گئی ان تصانیف کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا اور ماضی کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے علماء اسلام نے غلطی کی نشاندہی کی اور اسلام کی صحیح اور مسلّمہ فکر کی ترجمانی بھی کی ہے۔

اس مقالہ میں اسی ردّ عمل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جدیدیت کو مختصر اًواضح کیا گیا ہے ساتھ ساتھ مسلمہ اور صحیح اسلامی فکر کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ آخر میں نتائج وسفارشات کو مرتب کیا گیا ہے۔

جدیدیت اور اسکے مظاہر

آج کی دنیا میں ازمز کی بات کی جاتی ہے۔اگر آپ ان ازمز یعنی نظامات کی فہرست تیار کریں تو سینکڑوں کو چھو رہی ہے۔ جیسے سوشلزم ہیومنزم، فیوڈرلزم، پروگریسوازم، لبرلزم اور کارپوریٹ ازم وغیرہ اصطلاحات یا الفاظ اپنے اندر پورے پورے معاشرتی سیاسی اور معاشرتی نظامات کو سموئے ہوئے ہیں۔ ہر ایک دلکش اور حسین معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کی تصویر پیش کر رہا ہے۔ کسی میں عوام الناس کے لیے حاکمیت اعلی کی بات کی گئی ہے تو کسی میں انسان پرستی جیسے زرق برق اصولوں کو اجاگر کیا گیا ہے غرض ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر انسانی فلاح و ترقی کا ضامن ہونے کی بات کر رہا ہے۔[3]

ان تمام ازمز کی جڑیں ماڈرن ازم یعنی جدیدیت میں ملتی ہے۔یا ان تمام ازمز نے جدیدیت کی کوکھ سے ہی جنم لیا ہے جو پہلی جنگ عظیم کے بعد وجود میں آیا اور اس کا نعرہ مذہب اور جاگیر دارانہ نظام سے نہ صرف نجات کا تھا بلکہ ہر شے کو اس کی سائنسی اور فی الواقع حقیقت کے ادراک کی صورت میں ہی سمجھنے اور اس سے تعامل کرنے کا بھی تھا۔ گویا جدیدیت کو عقل و فہم اور دلیل(Rationalism) کی بادشاہت کا دوسرا نام دیا جاسکتا ہے۔[4]اسی لیے عیسائی

مذہب اور عیسائی ریاستیں جو دلیل اور اجتہادی عمل کی قوت سے خالی تھیں وہ اس انقلاب کا سامنا نہ کر سکیں اور انہوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ نتیجہ کے طور پر عیسائی معاشرہ مادر پدر آزاد جدیدیت کا گہوارہ بن گیا۔ جب دنیا کا ایک بڑا حصہ یعنی یورپ و امریکہ اس جدیدیت کی لپیٹ میں آیا تو لا محالہ اس کے اثرات دنیا کے دیگر حصوں پر بھی مرتب ہوئے۔ پوری دنیا میں موجود نظریات و نظامات کو جب اس جدیدیت کے اثرات کا سامنا کرنا پڑا تو زیادہ تر نظریات و نظامات عقلی طور پر اس کی شدت کا سامنا نہ کر سکے اور اس میں ضم ہو گئے لیکن جب بات اسلامی دنیا کی آئی تو عقل و دلیل اور اجتہادی قوت سے مالا مال مذہب اسلام نے جدیدیت کا نظری میدان میں خوب مقابلہ کیا اور اسلام کی آفاقیت و عالمگیریت کے مقابلہ میں جدیدیت کا نظریہ گرہن آلود محسوس ہونے لگا ہے۔

جدیدیت اور اسلام

اسلام بنیادی طور پر دو بنیادی دعوے رکھتا ہے ایک یہ کہ اسلام ایک الہامی مذہب ہے اور آسمانی ہدایت کا پرتو ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عقل سے متصادم نہیں ہے بلکہ عقل کی شمولیت اور استعمال کو خوش آئند قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ؕ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ[5] (اور رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے، اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں، بے شک اس میں لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔)

اسی لیے اسلام اپنے تمام نظریات واعمال کی عقلی بنیادیں بھی فراہم کرتا ہے۔[6] مذہب اسلام کا بنیادی ماٰخذ قرآن مجید ہے اور گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ اس بات کی غماز ہے کہ کسی بھی عملی و فکری میدان میں قرآن مجید سے باقاعدہ رہنمائی لی گئی بلکہ ہر زمانے میں خاص اس وقت کے تناظر میں قرآن مجید سے بالواسطہ اور بلاواسطہ اعتنا کیا گیا۔ نتیجہ کے طور پر قرآن مجید کی بیسیوں بلکہ سینکڑوں تفاسیر وجود میں آ گئی ہیں۔ جو تفسیری رجحانات کے نام سے جانی جاتی ہیں اور قرآنیات کے طالب علم ان سے بخوبی آگاہ ہیں۔[7]

جب جدیدیت اور اس کے ذیلی نظریات نے جنم لیا تو ان کے اثرات یورپ سے نکل کر اسلامی دنیا میں بھی نظر آئے۔ یہ تمام نظریات دراصل عیسائی مذہب اور اس کے بے جا ممنوعات کے خلاف بغاوت کی مختلف صورتیں تھیں یا پھر ریاستی جبر کے خلاف کچھ اقدامات و تصورات تھے گویا کسی عمل کا ردّ عمل تھا۔ جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ

میں لے لیا۔ اسلامی دنیا میں بھی سیاسی و معاشرتی سطح پر تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جمہوریت، انسانی حقوق کی تنظیمیں، نظامات حکومت اور میڈیا وغیرہ ان تبدیلیوں کے مظاہر ہیں۔ (حوالہ) یعنی عملی میدان میں جدیدیت نے مسلمان دنیا کو باقاعدہ متأثر کیا اور جدیدیت سے مأخوذ نظامات کو نہ صرف اپنایا گیا بلکہ ان کو اسلامیانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس کی مثال خود اسلامی جمہوریہ پاکستان کی صورت میں موجود ہے۔ لیکن جمہوریت کو اسلامیا کر اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کو حاکمیت اعلیٰ کا مالک مانا گیا اور اس کے تحت جمہوری نمائندے ان اختیارات کے مالک بنائے گئے۔ حتی کہ قانون سازی کا حق بھی ان نمائندوں کو ہی حاصل ہو گیا۔[8]۔ نت نئے نظریات و افکار اور ان کے عملی مظاہر کا سامنا اسلام سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اسلام کا اجتہادی فکر کا حامل ہونا نہ صرف ان نظریات و افکار کے غلط و صحیح ہونے کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ اس سے متعلق صحیح راستہ کا تعیّن بھی کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد اور ارکان کے ساتھ ساتھ کچھ اہم معاشرتی اصول و قواعد غیر متبدل ہیں۔ یعنی ان کو دوام و ثبات حاصل ہے اور ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لیے جو نظریات و عملیات بنیادی عقائد، ارکان اسلام اور قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت شدہ غیر متبدل اصولوں سے ٹکراتے ہیں ان کو ردّ کرنا، ان پر نقد کرنا اور ان کی بیخ کنی کرنا علما اسلام کا بنیادی فریضہ رہا ہے۔ جدیدیت یا کسی دوسری غیر اسلامی فکر کو اسی نقطہ نظر سے دیکھا پرکھا جارہا ہے۔

جدیدیت کے اثر میں قرآن سے تعامل

جب ہم جدیدیت اور قرآن کی بات کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف قرآن مجید کی عقلی اور ریشنل بیسڈ تفسیر و تشریح کا تصور سامنے آتا ہے بلکہ خاص علمی یعنی سائنسی منہج تفسیر بھی نمایاں ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی عقلی تفسیر و تعبیر صرف جدیدیت سے ہی جڑی ہوئی نہیں بلکہ صدیوں پہلے کی معتزلی فکر کا مطالعہ اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ قرآن مجید کو خاص عقل کی روشنی میں بیان کیا جاچکا ہے۔ اور ہر وہ آیت جس کی عقلی توجیہہ کی ضرورت محسوس کی گئی اس کو باقاعدہ طور پر عقلی منہج اختیار کرتے ہوئے بیان کیا گیا۔ جیسے آیات متشابہات وغیرہ (ید اللہ، ساق اللہ، وجہ اللہ اور استوا علی العرش) خاص تفسیری ادب میں امام رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب اس باب میں عظیم شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے کہ کوئی آیت یا نص ایسی ہو کہ اس کی عقلی توجیہہ درکار ہو اور رازی سے رہ گئی ہو ایسا ممکن نہیں۔[9] لیکن جب

خاص جدیدیت کے تناظر میں تفسیر قرآن کی بات کی جاتی ہے تو ظاہر ہے قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں جدیدیت کے نظریات کو پرکھا جانا اور ان کو ردّ و قبول کا درجہ دیا جانا تھا یا پھر ایک ایسے طبقہ کے پیدا ہو جانے کا امکان تھا جو ان تمام نظریات اور ان کے مظاہر کو قرآن مجید سے لفظ بہ لفظ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب

کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق (حوالہ)[10]

جدیدیت اور مناہج تفاسیر

جدیدیت کے غوغہ پر بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ قرآن مجید کی نئی نئی تفاسیر لکھی گئیں۔ جو خاص عقلی و سائنسی منہج کی تھیں جن میں سائنس کو قرآن سے باقاعدہ ثابت کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید میں کوئی ایسی بات ہو جو عقل سے ثابت نہ ہو تو اسے ردّ کر دیا گیا یا اس کی تاؤیل کر دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے طبقات بھی سامنے آئے جنہوں نے جدیدیت کے تمام نظریات، نعروں اور عملیات کو قرآن مجید سے ثابت تو نہیں کیا لیکن انہوں نے اس کے زیر اثر آکر ہر ایک سلوگن اور عملی مظہر یا نظریے کے متوازی ایک نظام، نظریہ اور عمل قرآن سے دے دیا۔[11] جس سے بسااوقات قرآن مجید کسی خاص شعبہءزندگی کی کتاب کے طور پر نظر آنے لگا۔ جبکہ طبعی ذوق جو خود اس جدت کے کسی خاص نظریہ اور میدان عمل سے متاثر ہو کر وقوع پذیر ہوا تھا اس کے تحت بھی قرآن مجید کی تفسیر کی گئی۔ اس حوالہ سے تفاسیر ی مقدمات بہترین رہنمائی کرتے ہیں کہ ایک ایک مقدمہ کا تجزیہ کرنے سے بآسانی آپ اصل مدعا اور پس منظر میں چھپے ذہنی تصور تک پہنچ سکتے ہیں۔[12]

عقلی و سائنسی منہج کے حوالے سے جو تفاسیر لکھی گئیں ان کی نمائندہ تفاسیر میں شیخ طنطاوی کی الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم، سید رشید رضا کی تفسیر القرآن الحکیم، سرسید کی تفسیر القرآن، غلام احمد پرویز کی مطالب الفرقان، عبداللہ چکڑالوی کی ترجمۃ القرآن بآیات القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ نظم قرآن، سیاسیات قرآن وغیرہ کے تصورات سے

مأخوذ تفاسیر میں بالترتیب مولانا فراہی، مولانا اصلاحی ، سید قطب کی فی ظلال القرآن اور مولانا مودودی کی تفہیم القرآن شامل ہیں۔

جدیدیت سے متأثر مفسرین

جدیدیت سے متأثر مفسرین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ایک خاص طے شدہ ذہنی ڈھانچے وسانچے کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ کسی بھی مفسر کے اصول تفسیر کا مطالعہ یہ بات عیاں کرتا ہے کہ مفسرین حضرات جو خود کسی خاص ڈاکٹرائن کے قائل و حامل ہوتے ہیں اور وہ پہلے سے تفسیر کسی خاص انداز میں ہی پیش کرنا چار ہے ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات تفسیری تعبیرات دے چکے ہوتے ہیں۔ اس تفسیر کے جواز کے لئے اصول تفسیر مرتب کرتے ہیں جیسے سر سید احمد خان کا نظریہ ورڈ آف گارڈ اور ورک آف گارڈ کا تھا۔ اس بنیادی نظریہ کی بناء پر ان کی سوچ پروان چڑھی جس کو مکمل عقل کا سہارا تھا کہ ورک آف گارڈ اور ورڈ آف گارڈ کو کس بنا پر پرکھا جائے تو اس کے لئے ان کے پاس عقل کے سوا کچھ نہیں تھا۔ لہٰذا عقل بھی خود اصول تفسیر میں در آئی۔[13]

اسی طرح مولانا حمید الدین فراہی نے خود بیان کیا ہے کہ مجھے جب سورۃ البقرۃ اور سورۃ القصص میں نظم سمجھ آیا تو میں نے اس کو پورے قرآن مجید میں تلاش کرنے کی سعی کی۔[14]

اب اس بات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ نظم کے لئے ان کا اپنا ایک ذوق اور تدبر تھا جس میں سوائے ان کی اپنی سوچ و فکر کے علاوہ کسی ثانوی مأخذ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ نتیجہ کے طور پر ہر وہ چیز جو نظام یا نظم میں خلل پیدا کرے اس کو رد کر دیا گیا اور رد کے لئے یہ خاص طریقہ اختیار کیا گیا کہ روایات کو یکسر مسترد کرنے کی بجائے ان کو تائیدی مأخذ کے طور پر ذکر کیا گیا۔ لکھتے ہیں:

وبعد التمسک الشدید بالقرآن آتی بشھادات الکتب التی نزلت علی من قبلنا، کما آتی بما روی من الاحادیث تبعا۔ والغرض کشف ماوافقت فیہ الایات، واقامۃ الحجۃ علی الامتین من کتبھم[15]

اور یہ عمل جاری و ساری ہے۔ حتیٰ کہ تصوف کے میدان میں ابن عربی سے لے کر آج تک قرآن مجید کی نئی نئی تعبیرات دیکھنے کو مل رہی ہیں۔

تفاسیر اور ان پر نقد کا تجزیہ

ان سب کا تجزیہ اور ان پر آنے والے ردّ عمل پیش کرنا اس کم وقتی میں ناممکن ہے۔ البتہ جامع مانع طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جدیدیت کے زیر اثر لکھی جانے والی تفاسیر میں:

1. تفسیر بالماثور کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔
2. اصول تفسیر کے حوالہ سے ان مفسرین نے اپنے اپنے اصول متعین کیے ہیں۔
3. عقل کو بنیادی اصول تفسیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
4. سائنسی ترقی کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنی آیات کی نہ صرف سائنسی تفاسیر لکھی گئی ہیں بلکہ کچھ آیات کی بظاہر سائنسی حقائق سے متصادم ہونے کی بنیاد پر تأویل کی گئی ہے۔ مثلاً وجود ملائکہ وغیرہ۔
5. عقلی منہج کی خوبی کہ کوئی کتاب خواہ قرآن مجید ہی کیوں نہ ہو، کسی خاص عقلی منہج پر نظر آئے، کی بنیاد پر نظم قرآن کی دور افتادہ تعبیرات سے کام لیا گیا۔
6. معاشرتی اور سیاسی نظامات سے لڑنے کے لیے قرآن مجید کو کتاب انقلاب کے طور پر پیش کیا گیا اور یہ دعوت دی گئی کہ قرآن ایک سیاسی نظام اور اس کے اجزائے ترکیبی سے بحث کرتا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: "گویا پہلی ہدایت سیاسی نظام سے متعلق ہے کہ امیر المؤمنین یا سربراہ ریاست کا انتخاب اہلیت کی بنیاد پر ہو گا' جبکہ دوسری ہدایت عدلیہ Judiciary کے استحکام کے بارے میں ہے کہ وہاں بلا امتیاز ہر ایک کو عدل و انصاف میسر آئے۔"[16]
7. سائنسی تجربات کے نتائج کو قرآن مجید کی آیات سے ہم آہنگ کیا گیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ سائنس آج جس مقام پر پہنچی ہے قرآن مجید چودہ سو سال پہلے ہی وہ سب کچھ بتا چکا ہے۔
8. صوفی ازم کے دنیا میں ترقی اور قبولیت کی بنیاد پر قرآن مجید کو خالص صوفی جس میں سیکولر ازم کا ٹچ دیا گیا، تعبیرات کی گئیں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ مذہب ہر ایک انسان کا ذاتی اور من چاہی معاملہ ہے۔

9. تاریخ و آثار قدیمہ کی ترقی کے عروج کے بعد خالص واقعاتی منہج یعنی تاریخی واقعات کی تشریح جس میں تاریخی واقعات کی تطبیق کا کام کیا گیا۔

10. جدیدیت کی یلغار کے ردّ عمل میں قرآن قرآن مجید کو خالص جہادی اور جنگی قوانین و احکامات پر مشتمل کتاب کے طور پر بھی پیش کیا گیا۔ اور قرآن بطور تاریخی دستاویز کے پیش کیا گیا ہے۔! تلک عشرۃ کاملۃ

نتائج و تجزیہ

جدیدیت کے زیر اثر جو بھی تفاسیر منظر عام پر آئیں ان کو قبولیت عامہ حاصل نہیں ہو سکی۔ تحریکی انداز کی حامل تفاسیر خاص تحریکی گروہوں کے لیے بنیادی مأخذ اور مرجع بنی جبکہ سائنسی ترقی کے دلدادہ افراد کے لیے سائنسی منہج کی تفاسیر لائق اعتنا رہیں۔ اس کے بر عکس خاص روایت پسند اور مأثوری طبقہ کے لیے جدیدیت کے زیر اثر وجود میں آنے والا تفسیری ادب قابل توجہ نہ بن سکا بلکہ موجب کفر و ضلال ٹھہرا ہے۔ اسی بنیاد پر ان تفاسیر کو علمی حلقوں میں باقاعدہ نقد کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، مولانا مودودی، مولانا اصلاحی اور دیگر جدیدیت زدہ طبقہ کی تفاسیر پر باقاعدہ نقد لکھا گیا ہے۔ ہر ایک تنقید میں منہجی غلطیوں کے ساتھ ساتھ انحرافی طرز عمل کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

اردو تفسیری ادب میں نقد کا بڑا ذخیرہ کتابی شکل میں موجود ہے اور تفسیری ادب میں بھی جا بجا اصلاح کی غرض سے نقد پائی جاتی ہے کتابوں میں نقد فراہی، مودودی پر نقد، سر سید پر نقد، تنقید متین بر تفسیر نعیم وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ تفسیری مقدمات اور تفسیری متن میں نقد کی بہترین مثالیں تفسیر حقانی، تیسیر القرآن ثناء اللہ، مودودی کی تفہیم القرآن وغیرہ ہیں۔

دبستان اہل قرآن یا عقلیت پسندوں کی تفاسیر پر نقد کی بنیادی وجہ ان کا انکار معجزات و وحی کی حقیقت، جنات و ملائکہ کے ساتھ ساتھ ہر ایک آیت کی من مانی تشریحات تھیں۔ سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں پندرہ اصول بیان کئے ہیں۔ ان کے ان اصولوں پر مولانا نانوتوی، نواب محسن الملک، ڈاکٹر ظفر حسن، مولانا عبد الحق حقانی

وغیرہ نے کھلے بندوں تنقید کی ہے۔ سب سے زیادہ تنقید ان کے اصول نیچر اور ورڈ آف گارڈ اور ورک آف گارڈ پر ہوئی ہے۔ کہ اس اصول کے مطابق تو خدا کو نیچر کا پابند بنانا ہے جو بالکل غلط اصول ہے۔

سر سید صاحب نے جب دعا کے بارے میں لکھا کہ دعا کسی مطلب کے حصول کے لئے نہ اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطراب کو جو مطلب حاصل نہ ہونے سے ہوتا ہے تسکین دینے والی ہے۔[17] اب اس پر جناب عبد الرحمن کیلانی نے نقد کیا کہ قرآن تو اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ دعا کی استجابت میں کام بن جاتا ہے اور اگر دعا سے نہیں بنتا تو ایسا تو ظاہری اسباب مثلاً بیماری میں دوا وغیرہ کے اختیار کرنے سے بھی کام نہیں بنتا۔[18] اس طرح جب مفسرین نے روایات حدیث سے بھی اعراض کیا اور احادیث صحیحہ کو بھی کبھی درایت کی بنا پر اور کبھی ظاہری عقل سے ٹکرانے کی بنا پر مسترد کر دیا تو اس وجہ سے بھی نقد ہوا۔

اسی طرح جب من مانی تفاسیر کی گئیں تو ان کو تفسیر بالرائے المذموم کے قبیل میں شمار کیا گیا۔ عنائت اللہ مشرقی، اطیعو االرسول کا مطلب بعد از وفات رسول اللہ ﷺ، امیر کی اطاعت قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اپنی کتاب تذکرہ میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو مکمل طور سے قرآن مجید سے ثابت کیا ہے۔[19] اس طرح کی تفاسیر خود قرآنی تصریحات سے ٹکرا رہی ہیں۔ کہ قرآن مجید انسانی حیات کا ارتقاء کا نتیجہ ہونے کے بجائے انسان اول آدم و حواء سے آغاز قرار دیا ہے۔[20] نتیجہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایسی تفسیر جو قرآن و سنت کے قطعی مفاہیم، سلف و صالحین کی متفقہ آراء اور لغت عرب کے قطعی معانی سے متصادم ہو وہ تفسیر بالرائے المذموم ہے اور اس پر تنقید لازماً کی گئی ہے

اصلاح پر مبنی تنقید کی بات کی جائے تو اس سلسلہ میں دو چیزوں کو سامنے رکھا جاسکتا ہے ایک تو کسی طبقہ یا مفسر کے باطل افکار اور دوسرے کسی کے تفردات ہوسکتے ہیں جن کی اصلاح کی گئی ہے۔ جب باطل افکار کی بات ہو تو اس میں مکتب جدیدیت کے افکار در معجزات، ملائکہ کا وجود، جنات اور واقعات آخرت کی غلط تاویلات وغیرہ ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے آغاز سے لے کر اب تک جو تفسیر بھی اردو زبان میں لکھی گئی اس میں جدیدیت کے افکار پر پورے شد و مد کے ساتھ تنقید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جامعات کے تحقیقی مقالہ جات کے لیے بھی ایسے موضوع

منتخب کئے گئے ہیں۔ تفسیری تفردات پر نقد کی مثالوں میں مولانا مودودیؒ پر ان کے افکار خصوصاً عصمت انبیاء کے باب میں مفسرین نے جو گرفت کی اس کو بیان کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت یونس اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کوتاہی اور غلطی کی نسبت کر دی گئی۔ حالانکہ اس پر ان کے پیروکاروں نے وضاحتی بیانات اور باقاعدہ کتب بھی جاری کر دی ہیں۔

لغت عرب کے ساتھ ساتھ تفسیر میں عقلی و سائنسی علوم سے استفادہ کی بھی کچھ حدود ہیں جب بھی ان حدود کا خیال نہ رکھا گیا تو تفسیر بالرائے المذموم کی طرف جا نکلی اور لازماً تنقید کا نشانہ بنی۔ علماء نے ان حدود و قیود کا ذکر کیا ہے جیسے کسی بھی عصری حقیقت کو قرآن مجید کا مدلول قطعی نہیں قرار دیا جاسکتا اور نہ ہی تاویلات بعیدہ سے کام لے کر کسی خاص سائنسی حقیقت کو قرآن مجید سے ثابت کیا جائے وغیرہ۔

اردو تفسیری ادب میں سرسید، رحمت اللہ طارق، غلام احمد پرویز وہ لوگ ہیں جنہوں نے تفسیر کا مآخذ سائنس کو بنایا اور سائنسی تعبیرات کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔ لہٰذا اس پر علماء تفسیر نے ان کی پکڑ کی ہے کہ انہوں نے ہر اس چیز کو جو سائنس و عقل سے ثابت نہ ہو سکے یا تو ماننے سے انکار کر دیا ہے یا پھر اس کی ایسی لغو تاویل کی ہے جو شریعت اسلامیہ کے پورے پیراڈائم سے ٹکراتی ہے کہ جنت دوزخ پل صراط ہر ایک کو عرب کے غرباء کے لئے ایک لالچ یا پھر ڈر و خوف قرار دیا گیا جو سراسر خلاف قرآن تشریح ہے۔[21]

حواشی وحوالہ جات

[1] ﴿بَلْ يَداهُ مَبْسُوطَتانِ﴾]المائدة: ٦٤ [أيْ هو جَوادٌ مِن غَيْرِ تَصَوُّرِ يَدٍ ولا غُلٍّ ولا بَسْطٍ، والتَّفْسِيرُ بِالنِّعْمَةِ والتَّمَحُّلُ بِالتَّسْمِيَةِ مِن ضِيقِ العَطَنِ. وأقُولُ: إنّا لَوْ فَتَحْنا هَذا البابَ لانْفَتَحَتْ تَأْوِيلاتُ الباطِنِيَّةِ فَإنَّهم أيْضًا يَقُولُونَ المُرادُ مِن قَوْلِهِ: ﴿فاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾]طه: ١٢ [الِاسْتِغْراقُ في خِدْمَةِ اللَّهِ تَعالى مِن غَيْرِ تَصَوُّرِ فِعْلٍ، وقَوْلُهُ: ﴿قُلْنا يانارُ كُونِي بَرْدًا وسَلامًا عَلى إبْراهِيمَ﴾]الأنبياء: ٦٩ [المُرادُ مِنهُ تَخْلِيصُ إبْراهِيمَ - عَلَيْهِ السَّلامُ - مِن يَدِ ذَلِكَ الظّالِمِ مِن غَيْرِ أنْ يَكُونَ هُناكَ نارٌ وخِطابٌ البَتَّةَ، وكَذا القَوْلُ في كُلِّ ما ورَدَ في كِتابِ اللَّهِ تَعالى، بَلِ القانُونُ أنَّهُ يَجِبُ حَمْلُ كُلِّ لَفْظٍ ورَدَ في القُرْآنِ عَلى حَقِيقَتِهِ إلّا إذا قامَتْ دَلالَةٌ عَقْلِيَّةٌ قَطْعِيَّةٌ تُوجِبُ الِانْصِرافَ عَنْهُ، ولَيْتَ مَن لَمْ يَعْرِفْ شَيْئًا لَمْ يَخُضْ فِيهِ، فَهَذا تَمامُ الكَلامِ في هَذِهِ الآيَةِ، ومَن أرادَ الِاسْتِقْصاءَ في الآياتِ والأخْبارِ المُتَشابِهاتِ فَعَلَيْهِ بِكِتابِ تَأْسِيسِ التَّقْدِيسِ وبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ.(الرازی،ابو عبداللہ، محمد فخرالدين، مفاتخ الغيب، تفسير ذيل سورة طه، آيت٥)

[2] Modernists celebrate modernity for liberating societies from traditional beliefs and dogmas that may have hindered progress in the past. The works of authors like Steven Pinker in "Enlightenment Now" (2018) highlight how the Enlightenment period marked the embrace of reason, science, and humanism, leading to significant advancements in various fields.

[3] Modernists argue that modernity is synonymous with progress and technological advancements, which have improved human living conditions and led to unprecedented levels of comfort and convenience. The development of technologies such as the internet, medicine, and renewable energy sources are cited as examples of modernity's transformative impact. As per Rifkin (2014), The Zero Marginal Cost Society, he explains how the sharing economy and advances in renewable energy are reshaping the global economic landscape.

[4] At the core of modernity lies the scientific method, a systematic approach to understanding the natural world through observation, experimentation, and analysis. Modern thinkers recognize the scientific method's effectiveness in uncovering objective truths and advancing knowledge. This reliance on empirical evidence distinguishes modernity from pre-modern and traditional belief systems, which often relied on superstition and faith. As described in "The Structure of Scientific Revolutions" by Thomas S. Kuhn (1962).

[5] سورۃ النحل (15):12

[6] Islamic scholar Seyyed Hossein Nasr, in his book "Islam and the Plight of Modern Man" (1965), argues for the compatibility between Islamic principles and scientific inquiry. (Nasr, Seyyed Hossein. "Islam and the Plight of Modern Man." Beacon Press, 1965.)

[7] شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر بذیلہ فتح الخبیر بمالا بد من حفظہ فی علم التفسیر، ص38 تا39۔

Shah Waliullah, Al-Fawz al-Kabeer Bazi'lah Fath al-Khabir bima la budda min .hifzihi fi 'ilm al-tafsir, pages 38 to 39

[8] آئین کا آرٹیکل: ۱ اور ۲

Ayeen Ka Article: 1 aur 2

[9] الرازی، ابو عبد اللہ، محمد فخر الدین، مفاتح الغیب، تفسیر ذیل سورۃ طہ، آیت ۵

Al-Razi, Abu Abdullah, Muhammad Fakhr al-Din, Mafatih al-Ghaib, Tafsir zail Surah Taha, Ayat 5

[10] سر محمد اقبال، اجتہاد، ضرب کلیم، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ط:2002، ص515۔

Sir Muhammad Iqbal, Ijtihad, Zarb-e-Kaleem, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 2002, page 515.

[11] ملاحظہ ہو: مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، سورۃ یونس، حاشیہ نمبر 83۔

Molana Maududi's Note: Maududi, Abul Ala, Tafheem ul Quran, Surah Yunus, Hashiya number 83.

[12] سر سید احمد خان، تحریر فی اصول التفسیر۔ خدا بخش اورینٹیل پبلک لائبریری، پٹنہ، ط:1892، ص17

Sir Syed Ahmad Khan, Tahrir Fi Usul al-Tafsir. Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna, 1892, page 17.

[13] سر سید احمد خان، تحریر فی اصول التفسیر۔ خدا بخش اورینٹیل پبلک لائبریری، پٹنہ، ط: 1892، ص 12

Sir Syed Ahmad Khan, Tahrir Fi Usul al-Tafsir. Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna, 1892, page 12.

[14] فراہی، الامام عبد الحمید، تفسیر نظام القرآن وتأویل الفرقان بالفرقان، الدائرہ الحمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی، ہند، ص 17

Faraahi, Al-Imam Abdul Hameed, Tafsir Nizam al-Quran wa Tawil al-Furqan bi al-Furqan, Al-Daira al-Hamidiya, Madrasa al-Islah Sarai Meer, Azamgarh, India, page 17.

[15] فراہی، الامام عبد الحمید، تفسیر نظام القرآن وتأویل الفرقان بالفرقان، الدائرہ الحمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی، ہند، ص 24

Faraahi, Al-Imam Abdul Hameed, Tafsir Nizam al-Quran wa Tawil al-Furqan bi al-Furqan, Al-Daira al-Hamidiya, Madrasa al-Islah Sarai Meer, Azamgarh, India, page 24.

[16] مودودی، ابو الاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، سورۃ النسآء (4): 58۔

Maududi, Abu al-A'la Syed, Tafheem ul Quran, Surah An-Nisa (4):58.

[17] سر سید احمد خان؛ تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور۔ ج 1، ص 18

Sir Syed Ahmad Khan; Tafsir al-Quran Wa Huwa al-Huda wal-Furqan, Rafah-e-Aam Steam Press, Lahore. Vol 1, page 18.

[18] عبد الرحمٰن کیلانی، آئینہ پرویزیت، مکتبۃ السلام سٹریٹ نمبر 20 وسن پورہ لاہور، ص 88،87۔

Abdul Rahman Kilani, Ayeenah Parvaziat, Maktaba al-Salam Street Number 20, Wassanpura Lahore, page 87, 88.

[19] محمد عنائت اللہ مشرقی؛ تذکرہ، التذکرہ پبلیکیشنز اچھرہ، لاہور، ج 1، ص 78۔

Muhammad Anayatullah Mashraqi; Tazkira, Tazkira Publications Chhara, Lahore, Vol 1, page 78.

[20] سورۃ الحجرات (49): . Surah Al-Hujurat (49):13۔

[21] ڈاکٹر اسرار احمد: بیان القرآن، انجمن خدام القرآن پشاور 2008، ج 1، ص 69۔

Dr. Israr Ahmed: Bayan al-Quran, Anjuman Khuddam al-Quran Peshawar 2008, Vol 1, page 69.